فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کی خودنوشت
''جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی'': ایک مطالعہ

ڈاکٹر سرفراز خالد

Dr. Sarfraz Khalid,

Associate Professor, Department of Islamiyat,

Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

This article is a review of autobiography of Field Marshal Muhammad Ayub Khan, Ex. President of Pakistan. The book entitled "Friends not masters" which was translated into Urdu by a famous writer Ghulam Abbas. Ayub Khan was born in a village "Rehana" near Rawalpindi. After compilation of educatin he got commissin in Royal Army and proceeded to England for professional training. When Pakistan came into existence, he joined Pakistand Army and gradually became Field Marshal of Pakistan Army. According to the author, the book may be called a verbal creation regarding his autobiography which is anthology of conversations among some close friends of the author. Basically book is based on the ideology that the citizens of developing countries are desirous for the friendship and help of the advanced / developed countries especially America, but it would be equal level like friends not masters. The book also discussed the political ups and downs in Pakistan because the author remained the President of Pakistan for more than 10 years.

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان ۱۹۰۷ء میں ہری پور کے قریب ریحانہ گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے والد میجر میر داد خان کی دوسری بیوی میں سے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ آپ کا بچپن اپنے گاؤں میں گزرا۔ ریحانہ راولپنڈی سے تقریباً پچاس میل شمال میں واقع خوبصورت پہاڑی علاقہ ہے۔ آپ کی والدہ سیدھی سادھی نیک خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے کی تربیت بہت اچھے طریقے سے کی۔ صدر محمد ایوب خان کی سوانح حیات ''جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی'' دراصل انگریزی زبان میں لکھی گئی ان کی کتاب Friends, Not Master کا اردو ترجمہ ہے جسے نامور مصنف غلام عباس نے عوام الناس کی

سہولت کے لیے کیا تا کہ وہ اپنے محبوب قائد کے خیالات سے مستفید ہوسکیں۔ کتاب کا عنوان علامہ محمد اقبال کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

اے طائر لاہوتی! اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتا ہی(۱)

کتاب تصنیف کرنے کا مقصد اس کے سرورق سے ظاہر ہوتا ہے جس میں سابق صدر پاکستان اپنا ماضی الضمیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ترقی پذیر ممالک کے باشندے، دوستوں کی اعانت کے ضرور متمنی ہیں، لیکن ایسی اعانت جو باہمی عزو وقار کی بنیاد پر استوار ہو۔ وہ دوستی چاہتے ہیں۔ کسی کی بالا دستی کو تسلیم کرنا نہیں چاہتے۔''(۲)

فہرست مضامین دیباچہ، بارہ ابواب اور آٹھ ضمیمہ جات پر مشتمل ہے اور آخر میں اشاریہ بھی درج ہے۔ علاوہ ازیں کتاب میں شامل چوبیس تصاویر اور ان کے مواقع مع صفحات نمبر کی تفصیل کا اندراج بھی شروع میں کر دیا گیا ہے تا کہ قاری بآسانی ان تک رسائی حاصل کر سکے۔ اس مقالہ میں ان عنوانات کے تحت صدر محمد ایوب کی گئی گفتگو پر طائرانہ نظر ڈالی جائے گی تا کہ مصنف کے خیالات سے مستفید ہوا جا سکے۔

دیباچہ

مصنف کے خیال میں کتاب کو زبانی تصنیف کہنا چاہیے کیونکہ انہوں نے سب سے پہلے کتاب کا خاکہ اور موضوعات طے کیے اور پھر اپنے چند دوستوں کے ساتھ مل کر ان موضوعات پر سوال و جواب کی نشستیں شروع کیں، جن پر ۱۹۶۴ء کا تقریباً پورا سال صرف ہو گیا۔ جن کی ریکارڈنگ تیس گھنٹوں پر محیط اور جب اس کا مسودہ تیار ہوا تو وہ نو سو سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا تھا۔ لہٰذا اس کی اصلاح و ترمیمات پر بھی کافی وقت گزر گیا اس میں ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخابات تک کے واقعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اور کتاب کی تکمیل ۱۹۶۷ء میں ہوئی۔ اس کتاب کی تحریر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مجھے امید ہے کہ اس سرگزشت سے یہ واضح ہو جائے گا کہ وہ کیا حالات تھے جو میرے حالات کی تحریک و تشکیل کا باعث ہوئے اور صدر پاکستان بننے کے بعد سے میں نے جن باتوں کے لیے سعی و کاوش کی ہے انہیں بھی بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔ میری کوشش یہ رہی ہے کہ اپنے بیان میں صاف گوئی اور حقیقت پسندی سے کام لوں اور توجہ کو شخصیات کی بجائے مسائل و واقعات پر مرکوز رکھوں۔''(۳)

مصنف نے اپنی اس کتاب میں سابقہ ادوار کے حکمران طبقہ کی نالائقیوں اور بے حسیوں کا جائزہ پیش کیا ہے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ ملک کی ابتری کن وجوہات کی بنا پر ہوئی۔

''ہم نے طویل غیر ملکی تسلط کے بعد آزادی حاصل کی ہے اور یہ تسلط اپنے پیچھے فرسودہ افکار و عادات کا ایسا ورثہ چھوڑ گیا ہے۔ مسئلہ یہ تھا کہ ان افکار و عادات کو کس طرح بدلا جائے اور موجودہ حقائق کا کس طرح براہ راست اور گہرا ادراک حاصل کیا جائے۔''(۴)

کتاب کا باقاعدہ آغاز کرنے سے پہلے ایک قرآنی آیت پیش کرتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُواْ مَا بِأَنْفُسِهِم(۵)

اس آیت کا ترجمہ لکھنے کی بجائے مولانا ظفر علی خان کا یہ شعر تحریر کیا ہے جو اس آیت کا عکاس معلوم ہوتا ہے:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا(۶)

کتاب کا انتساب یوں کرتے ہیں:

''ان وطن پرستوں کے نام! جنہوں نے پاکستان کو دورِ حاضر کی ایک ترقی یافتہ مملکت بنانے کے لیے دن رات جدوجہد کی اور ان جاں فروشوں کے نام جنہوں نے پاکستان کی حفاظت کے لیے بہادری کے جوہر دکھائے۔

بنا کردند خوش رسمے بہ خون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را(۷)

بچپن سے جوانی تک

صدر محمد ایوب خاں اپنی پیدائش کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''میں ۱۴ مئی سنہ ۱۹۰۷ء میں ریحانہ نامی گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ یہ رمضان کے مہینے کا آخری دن تھا اور گھر کے لوگ عیدالفطر کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ میرے والد کے چار بچے پہلی بیوی سے تھے جو فوت ہو چکی تھیں۔ میں ان کی دوسری بیوی سے پہلی اولاد تھا۔''(۸)

اپنی والدہ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے بچپن کی کئی یادوں کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ اپنی تعلیم و تربیت کے بارے میں اپنے والد صاحب کی کاوشوں کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''میرے والد کا کنبہ وسیع تھا اور پینشن اور زمینوں کی آمدنی محدود، لیکن انہوں نے جی میں ٹھان رکھی تھی کہ مجھے اچھی تعلیم دلوائی جائے۔ اس کے علاوہ انہیں اس کا بھی بڑا خیال تھا کہ میں اسلامی اصول و عقائد سے بے بہرہ نہ رہوں۔ وہ مجھے حافظ قرآن بنانا چاہتے تھے۔''(۹)

ان کے والد گرامی نے گھر سے چار میل دور ''سرائے صالح'' کے مقام پر ایک سکول میں داخل کروا دیا تھا مگر پہاڑی علاقہ میں سفر کی صعوبتوں کی وجہ سے انہیں ہری پور کے سکول میں داخل کروا دیا گیا جہاں سے قریب ہی نانی اماں کے ہاں قیام کیا کرتے تھے۔ مگر پڑھائی کی طرف زیادہ توجہ نہ ہونے کی وجہ سے میٹرک سیکنڈ ڈویژن میں پاس کر لی تو اعلیٰ تعلیم کے لیے والد صاحب نے علی گڑھ یونیورسٹی میں داخل کروا دیا۔ یونیورسٹی میں ایک فوجی وفد آیا تا کہ نئے فوجی بھرتی کیے جا سکیں تو محمد ایوب خان بھی فوج میں بھرتی ہو گئے جبکہ ان کے والد کی خواہش تھی کہ میرا بیٹا پہلے تعلیم مکمل کرے پھر اپنے پیشے کا انتخاب کرے۔

فوجی زندگی کا ابتدائی دور

۱۹۲۶ء میں انگلستان میں واقع ''سینڈھرسٹ'' کالج میں جانے کے لیے بذریعہ بحری جہاز ''ایس۔ ایس۔ راولپنڈی'' بمبئی کی بندرگاہ سے جوش وخروش کے ساتھ روانہ ہوئے۔فوجی کالج کی زندگی گرچہ انتہائی سخت تھی مگر اچھی صحت او رذوق وشوق نے انہیں چاک وچوبند بنادیا۔مگر ایک تلخ حقیقت نے انہیں بہت مایوس کیا۔لکھتے ہیں:

> ''اس زمانے میں سینڈھرسٹ میں ہندوستانی کیڈٹوں کا اچھا خاصا جتھا جمع ہو گیا تھا۔ہم سب مل جل کر رہا کرتے تھے۔یہ تو ہم نے محسوس کر ہی لیا تھا کہ یہاں ہم کو گھٹیا درجے کی قوم سمجھا جاتا ہے۔انگریز دوسرے ملکوں کی طرح کھلم کھلا رنگ اور نسل کے امتیاز کو روا نہیں رکھتے لیکن دل میں اس کا اتنا ہی احساس رکھتے ہیں۔''(۱۰)

سینڈھرسٹ میں پیشہ وارانہ تربیت میں محمد ایوب خان نے اپنے اعلیٰ جوہر دکھائے تو انہیں سابقہ روایات سے ہٹ کر ترقی دی گئی اور یہ پہلے غیر ملکی کیڈٹ تھے جنہیں ''کارپورل'' بنایا گیا اور دو فیتے لگائے گئے۔اس وقت میجر جنرل نے جو گفتگو کی جس کی روداد وہ کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

> ''جنٹل مین کیڈٹ ایوب خان! تم کو ایک بھاری ذمہ داری سونپی جا رہی ہے۔ہم کو امید ہے کہ تم خود کو اس کا اہل ثابت کرو گے۔آج ہم نے اپنی پرانی روایت کو توڑ کر تم کو دو فیتے دینے اور کارپورل بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ہم یہ تجربے کے طور پر کر رہے ہیں تاکہ دیکھیں کہ غیر ملکی کیڈٹ اس ذمہ داری کے بھاری بوجھ کو اٹھا سکتے ہیں یا نہیں۔''(۱۱)

لیکن جلد انہیں احساس ہوا کہ یہ ذمہ داری محض نمائشی ہے اور کسی برطانوی کیڈٹ کو ان کے ماتحت نہیں رکھا گیا۔اعلیٰ کارکردگی اور جانفشانی کی وجہ سے امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کی اور ہندوستانی کیڈٹوں میں سب سے اول رہے۔اس دوران ان کے والد صاحب کا انتقال ہو گیا جس کی اطلاع تین ماہ بعد دی گئی کیونکہ والد صاحب نے خواہش ظاہر کی تھی کہ جب تک بیٹا تعلیم مکمل نہ کرے اسے میرے مرنے کی خبر نہ ہو۔

باوجود اس کے کہ فوج میں ہندوستان میں بسنے والے مختلف مذاہب کے لوگ شامل تھے مگر مذہبی اور ثقافتی لحاظ سے ان کے درمیان اختلاف موجود تھا،مسلمان ہندوؤں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی خود کو ان سے مختلف تصور کرتے تھے:

> ''جب انڈین نیشنل کانگرس نے آزادی کے لیے جدوجہد سرگرمی کے ساتھ شروع کر دی تو ہم مسلمانوں نے سوچنا شروع کیا کہ ہمارا انجام کیا ہوگا؟ جہاں تک ہمارا تعلق تھا۔آزادی کا مطلب ہمارے لیے انگریزوں اور ہندوؤں دونوں سے نجات حاصل کرنا تھا۔''(۱۲)

اس دوران جب برصغیر میں تحریک آزادی زوروں پر تھی اور دوسری طرف برٹش انڈین آرمی میں مستقل کمیشن کے لیے ہندوستانی افسروں کے انتخاب کا سلسلہ جاری تھا۔محمد ایوب خان اس کمیشن کے سربراہ تھے۔قابلیت کا معیار بہت اونچا ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو انہوں نے الزام تراشی شروع کر دی:

> ''بعض ہندو اور سکھ افسروں کی طرف سے مجھ پر الزام لگایا گیا کہ میں جان بوجھ کر ان کے آدمیوں کو فیل کر دیتا ہوں تاکہ وہ فوج میں افسر نہ بننے پائیں۔درحقیقت صدر کی حیثیت

سے بھی مجھے سلیکشن بورڈ کے دوسرے ممبروں کی طرح صرف ایک ہی ووٹ حاصل تھا۔اور میں اپنی مرضی سے کسی امیدوار کو پاس یا فیل نہیں کر سکتا تھا۔'' (۱۳)

سکھوں نے منصوبہ بنایا کہ تقسیم ہند کے بعد سکھوں کے اکثریتی علاقوں پر سکھ حکومت قائم کی جائے لہٰذا انہوں نے بہت سے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور ان کے بہت سے گاؤں جلا دیئے تا کہ باقی مسلمانوں کو علاقہ چھوڑ کر مغربی پنجاب کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا جا سکے۔مسلمان فوجیوں نے بھی چھوٹے چھوٹے گروہوں میں پاکستان کی طرف ہجرت کرنا شروع کی اور محمد ایوب خان بھی پاکستان آ گئے۔تقسیم ہند کے وقت طے شدہ منصوبہ کے مطابق جتنا فوجی ساز و سامان پاکستان کو ملنا تھا وہ نہ دیا گیا۔جس کے باعث پاکستانی فوج بے سروسامانی کے عالم میں مشکلات کا شکار تھی۔

فوجی زندگی ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۰ء

اس عرصہ میں محمد ایوب خان کو مشرقی پاکستان میں فرائض سرانجام دینے کا موقع میسر آیا۔سخت مشکل اور آزمائش کا دور تھا۔مشرقی پاکستان کی حکومت سے واسطہ پڑتا۔فوج نہ ہونے کے برابر تھی لہٰذا اسے بنانے اور منظّم کرنے میں کافی مشکلات اور مصائب کا سامنا تھا۔اس وقت خواجہ ناظم الدین مشرقی پاکستان کے صوبے کے ناظم اعلیٰ تھے۔متقی پرہیزگار تھے مگر کسی معاملہ میں فیصلہ کرنا ان کے لیے مشکل اور اذیت ناک ہوتا تھا۔مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے لوگوں کے درمیان زبان اور ثقافت مختلف ہونے کے علاوہ ذہنی ہم آہنگی بھی نظر نہیں آتی تھی۔دونوں ایک دوسرے کو دلی طور پر پسند نہ کرتے تھے۔محمد ایوب خان کے الفاظ میں:

''ایک طرف تو ڈھاکہ کے لوگ عموماً یہ سمجھتے تھے کہ مغربی پاکستان سے آئے ہوئے افسران ان پر حکومت جمانا چاہتے ہیں اور دوسری طرف مغربی پاکستان والے اس افسری کو اپنے لیے عذاب سمجھتے تھے۔'' (۱۴)

محمد ایوب خان نے اپنے قیام مشرقی پاکستان میں لوگوں کے درمیان تفریق اور اختلافات کم کرنے کی بہت کوشش کی جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہے۔دسمبر ۱۹۵۹ء میں انہیں واپس جنرل ہیڈ کوارٹرز میں بلایا گیا اور ایڈجوٹینٹ جنرل مقرر کیا گیا۔مغربی پاکستان بھی اس وقت متعدد مسائل کا شکار تھا۔کشمیر میں جنگ بندی کے باوجود حالات ناسازگار تھے۔معاشی معاملات اور فوج کے مستقبل کے بارے میں بھی فوج اور وزارت خزانہ میں محاذ آرائی نظر آتی تھی۔لہٰذا انہوں نے ان مسائل اور محاذ آرائی کے خاتمہ میں بھرپور جدوجہد کی اور اس میں کافی حد تک کامیاب بھی رہے۔

کمانڈر ان چیف

جنرل گریسی کی مدت ملازمت ختم ہونے کے قریب تھی اور عمومی قیاس یہی تھا کہ ان کی جگہ اب کسی پاکستانی کو کمانڈر انچیف بنایا جائے گا۔وزیراعظم لیاقت علی خان نے افسروں سے خطاب میں اس بات کا اظہار کیا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ عہدہ کسی سینئر کی بجائے جونیئر افسر کو دیا جائے۔محمد ایوب خان دو مہینوں کی چھٹی لے کر اپنے بیوی بچوں سمیت چھانگلا گلی کے سرد اور پرفضا مقام میں قیام پذیر تھے کہ انہیں فون پر اطلاع دی گئی:

''ستمبر ۱۹۵۰ء کی ایک رات کو وزارت دفاع کے ایک آفیسر نے ٹیلی فون پر مجھے بتایا کہ آپ

نئے کمانڈر انچیف چن لیے گئے ہیں۔ مجھے ان ذمہ داریوں کا گہرا احساس تھا جو مجھ پر عائد ہونے والی تھی۔ میں نے خدا سے دعا کی کہ وہ مجھے ہمت اور قابلیت عطا فرمائے تا کہ میں خود کو اس کام کا اہل ثابت کر سکوں۔'' (۱۵)

جنرل گریسی کی رخصتی کے ساتھ ۱۷ جنوری ۱۹۵۱ء کو محمد ایوب خان نے کمانڈر انچیف کا عہدہ سنبھالا۔ عہدہ سنبھالنے کے چند مہینوں میں راولپنڈی کی سازش اور وزیر اعظم لیاقت علی خان کے قتل کے واقعات رونما ہوئے۔ حالات کافی ناسازگار تھے مگر ایوب خان نے حکمت عملی سے ان پر قابو پانے کی کوشش کی۔ فوج کی بہتر کارکردگی کے لیے زرعی فارم، ڈیری فارم، گھوڑوں کی پرورش کے کئی مراکز قائم کیے گئے۔ طبی سہولتوں کی فراہمی کے لیے ڈاکٹروں اور نرسوں کا اہتمام کیا گیا۔ سابق فوجیوں کے لواحقین کی دیکھ بھال کے لیے بندوبست کیا گیا۔ نوجوانوں کو فوجی ملازمت کی ترغیب کے لیے کیڈٹ کالج اور اکادمیاں قائم کی گئیں۔ جدید فوجی ساز وسامان کی خریداری اور اعلیٰ پیشہ وارانہ تربیت سے فوج کی قوت میں اضافہ کیا گیا۔ ان تمام امور کی سرانجامی کا مقصد یوں بیان کرتے ہیں:

''ہندوستان کی فوجی طاقت ہم سے زیادہ ہی ہوگی۔ ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اس کی مزاحمت کے لیے ایک ایسی فوج تیار کر لیں جو حملہ کرنے اور حملہ روکنے کی طاقت رکھتی ہو۔ اور اس قابل ہو کہ ہندوستانی فوج کے حملے کو ناکام بنا سکے۔'' (۱۶)

سیاسیات ۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۸ء

آزاد ملک حاصل کرنے کے لیے بے انتہا مالی اور جانی قربانیاں دینا پڑی تھیں۔ لاکھوں مرد، خواتین اور بچے موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ مگر اس کے باوجود پاکستانی عوام یقین کامل اور عزم عالی شان کے ساتھ اپنے نصب العین کو پیش نظر رکھ کر منزل کی طرف گامزن تھی۔ ہندوستان شروع دن سے ہی پاکستان کے وجود کو نہ صرف تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا بلکہ اس کو اپاہج اور ناکارہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ کشمیر کی لڑائی اور جنگ بندی کے بعد تقریباً پانچ سو میل کی رکھوالی ایک کٹھن مرحلہ تھی۔ ہندوستان مسلسل جارحانہ انداز اختیار کیے ہوئے تھا۔ سیاسی محاذ پر بھی کافی مشکلات تھیں پاکستان میں کوئی باقاعدہ آئین نہیں تھا۔ قائداعظم ملک کا کوئی آئین بنانے سے پہلے ہی ۱۹۴۸ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ لیاقت علی خان نے اس طرف توجہ کرنے کی بجائے الیکشن کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان کے قتل ہونے کے بعد حالات مزید ابتر ہوتے چلے گئے۔ ۱۹۵۶ء میں ایک آئین نافذ ہوا جو بڑی مایوس کن دستاویز تھی۔ علاوہ ازیں آپس میں ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے اور سازشوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

انقلاب

ملک میں جاری سیاسی کشمکش عروج پر تھی۔ وزارتوں کی تقسیم میں بھی کھینچا تانی جاری تھی کہ ۷۔ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو آئین منسوخ کرتے ہوئے اسکندر مرزا نے ملک میں مارشل لاء کا نفاذ کر دیا گیا۔ محمد ایوب خان اس کا احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''شام کو آٹھ بجے اسکندر یہ مرزا نے بڑے ڈرامائی انداز میں آئین کو منسوخ کر دیا۔ سارے

پاکستان میں مارشل لاء کا اعلان کر دیا۔ مرکزی اور صوبائی حکومتوں، قومی اسمبلیوں اور صوبائی اسمبلیوں کو منسوخ کر دیا اور مجھے مارشل لاء کا منتظم اعلیٰ مقرر کر دیا۔'' (۱۷)

مارشل لا لگنے پر بعض جرنیلوں نے ایوب خان کو باور کروایا کہ سکندر یہ مرزا کا رویہ ملکی اور عوامی لحاظ سے غیر مناسب ہے اور آئین کی منسوخی کے بعد صدر کے عہدہ کی اب کوئی حیثیت نہیں۔ محمد ایوب خان نے کچھ دن سوچ بچار کے بعد ان پر صورت حال واضح کی تو انہوں نے اقتدار سے دست بردار ہونا منظور کر لیا۔ بقول ایوب خان:

''مجھے یہ فیصلہ کر کے بہت دکھ ہوا تھا اور میرا دل سکندر مرزا کے لیے بھی کڑھا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میرا سکندر مرزا پر اعتماد کرنا بے محل تھا۔'' (۱۸)

مارشل لا

مارشل لا کے کچھ فوری مقاصد اور کچھ طویل المیعاد مقاصد کا تعین کیا گیا۔ فوری مقاصد میں سول اور آئینی اداروں کی بحالی تھا جس کو چھ مہینے میں حاصل کر لیا گیا۔ طویل المیعاد مقاصد میں ملک کی سماجی اور اقتصادی زندگی میں ابتری اور ناہمواری کو دور کرنا اور ملک میں ایک مناسب آئین کا اجراء اور آئینی زندگی کی بحالی تھی۔ دوسرے ممالک میں جمع شدہ سرمایہ کو واپس لانے کی بھی کوشش کی گئی:

''پاکستانی باشندوں نے دوسرے ملکوں میں جو زرمبادلہ جمع کر رکھا تھا، اس کو وطن میں لانے کے سوال پر بھی غور کیا گیا۔ میں ایک ایسا قاعدہ بنانا چاہتا تھا جس سے اس سرمائے کو قبضے میں لایا جا سکے۔'' (۱۹)

بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کے مقبرے کی تعمیر کافی عرصہ سے التوا کا شکار چلی آ رہی تھی اس کا آغاز بھی اسی مارشل لا حکومت کے دور میں ہوا:

''میں نے کابینہ میں ذکر کیا کہ ہمیں قائداعظم کے مقبرے کی تعمیر کا کام شروع کر دینا چاہیے۔ میں نے مس فاطمہ جناح سے درخواست کی کہ آپ اس کمیٹی کی سرپرستی فرمائیں جو اس مقصد کے لیے قائم کی گئی ہے۔'' (۲۰)

بنیادی اقدامات ۱۹۵۸ء تا ۱۹۶۰ء

محمد ایوب خان نے ملک میں اصلاحات کے ذریعے انقلاب لانے کی کوشش کی تا کہ ان خامیوں کا تدارک ممکن ہو سکے جن کے باعث ملک ابتری کا شکار ہو چکا تھا:

''میں نے اصلاحات کی ایک فہرست بنائی اور اپنے رفیقوں سے پوچھا کہ بتاؤ تمہارے خیال میں ان میں سے کون سی اصلاح سب سے مشکل ہوگی۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا، زرعی اصلاحات۔ اس پر میں نے فیصلہ کیا کہ اچھا سب سے پہلے زرعی اصلاحات سہی۔'' (۲۱)

چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے زرعی اصلاحات کا ایک کمیشن مقرر کیا گیا۔ چونکہ زمین کے اوپر چند ہزار خاندان

قابض تھے لہٰذا ان کی طرف سے مزاحمت یقینی تھی۔ انجمن امداد باہمی کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ہندوستان کی تقسیم کے وقت آنے والوں کے لیے اپنی زمینوں کے کلیم داخل کرنے کے لیے ''کلمینز'' کا ایک محکمہ کھول دیا گیا۔

قیام پاکستان کے شروع میں کراچی کو دارالحکومت بنایا گیا تھا مگر جلد ہی احساس ہو گیا کہ یہ شہر دارالحکومت کے لیے موزوں نہیں رہا۔ لہٰذا جنرل یحییٰ خان کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم ہوا جس نے راولپنڈی کے قریب مارگلہ کی پہاڑیوں میں دارالحکومت بنانے کی تجویز دی۔

> ''انہوں نے ملک کے دونوں حصوں کو خوب دیکھ بھال کر یہ رائے دی کہ پاکستان کا صدر مقام راولپنڈی کے قریب پوٹھوہار کی سطح مرتفع پر بنانا چاہیے۔ میں نے اسے منظور کر لیا اور نئے دارالحکومت کا نام اسلام آباد رکھا گیا۔'' (۲۲)

ملک میں تعلیمی نظام کی بہتری کے لیے ایک کمیشن قائم کیا گیا جس نے انتھک محنت سے آٹھ مہینے میں ایک جامع رپورٹ مرتب کر دی۔ اور تعلیمی نظام کی بنیادی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کی اصلاح کے لیے تجاویز پیش کیں۔ قانونی اصلاحات کا ایک کمیشن بھی قائم کیا گیا جس نے عدالتی کارروائی کو آسان، جلد اور انصاف پر مبنی بنانے کے لیے تجاویز پیش کیں۔ مسلمانوں کی شادی بیاہ و دیگر معاملات کی اصلاح کے لیے ۱۹۶۱ء میں عائلی قوانین کا آرڈیننس جاری کیا گیا۔ پانی ذخیرہ کرنے کے لیے منگلا اور تربیلہ کے مقام پر ڈیم تعمیر کرنے کی بھی منظوری دی گئی۔

خارجہ پالیسی۔۱

پاکستان کی خارجہ پالیسی میں یہ شعور کارفرما ہے کہ سب قومیں آپس میں برابر ہیں اور ہر قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کی حکومت اپنے ہاتھ میں ہو اور اس کے اپنے نصب العین کے مطابق ہو۔ مگر ہندوستان کی طرف سے ہمیشہ ہمارے وجود کو خطرہ درپیش تھا وہ پاکستان کو کمزور اور ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہتا تھا۔ دیگر تنازعات کے علاوہ مسئلہ کشمیر سب سے بڑی وجہ تنازعہ رہی تھی۔ لہٰذا ہمیں ہندوستان کی دشمنی گوارا کرتے ہوئے جینے کا سلیقہ سیکھنا ہوگا۔

سوویٹ یونین جسے ہم نے ''سیٹو'' اور ''سینٹو'' معاہدوں میں شامل ہو کر اپنے آپ سے بیگانہ بنا لیا تھا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ شکوک اور وسوسے رفع کر کے اس سے مفاہمت پیدا کر لیں۔ تیزی سے ترقی کرنے والے ہمسایہ ملک چین کو اگر اپنے خلوص اور خیر سگالی کا یقین دلا دیں تو اس سے خوش گوار تعلقات قائم کر سکتے ہیں۔ امریکہ اور دوسری مغربی طاقتیں جو اقتصادی امداد دے سکتی ہوں اچھے تعلقات رکھیں مگر ایسی کوئی شرط تسلیم نہ کریں جس سے ہمارے قومی مفاد یا وقار کو نقصان پہنچتا ہو۔

خارجہ پالیسی۔۲

پاکستان کو اپنی سلامتی کے لیے ہمیشہ دوستوں اور اتحادیوں کی ضرورت رہی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ''پاکستان ہمیشہ اس امر کا خواہش رہا ہے کہ اپنے مشرق وسطیٰ کے ہمسایوں سے اچھے تعلقات قائم کرے خصوصاً دوسرے اسلامی ملکوں سے۔ کیوں کہ ہمارے اور ان کے درمیان نہ صرف دینی رشتہ قائم ہے بلکہ ہمارا نظریہ حیات، ہماری اقدار، ہمارا تاریخی پس منظر اور ہمارے مسائل بھی وہی ہیں جو ان کے ہیں۔'' (۲۳)

معاہدہ بغداد میں شرکت کی وجہ پاکستان اور عرب ممالک کے درمیان غلط فہمیاں اور سرد مہری پیدا ہو گئی تھی۔ مگر اس کا

فائدہ یہ ہوا کہ ایران اور ترکی کی حکومتوں سے دوستی اور ربط پیدا ہوگئے جس کے نتیجہ میں ہم ''علاقائی تعاون برائے ترقی'' کا منصوبہ بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ ''افغانستان کے ساتھ ہمارے تعلقات اس دوستی اور بھائی چارے کے نہیں رہے جس کی دو ہمسایہ ملکوں سے امید ہونی چاہئے۔''(۲۴) ترقی پذیر ممالک جنہیں تیسری دنیا کے نام سے پکارا جاتا ہے اس کے ساتھ بھی پاکستان نے اچھے تعلقات قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اس میں کافی حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی بلکہ پاکستان کو اس میں نمایاں مقام حاصل ہوگیا۔

آئین اور نظریہ حیات

محمد ایوب خان ۱۹۵۴ء کو امریکہ جاتے ہوئے لندن میں دو دن کے لیے ہوٹل میں قیام پذیر تھے اور پاکستان کے ناسازگار حالات کے بارے میں متفکر اور مضطرب تھے جو گورنر جنرل غلام محمد اور وزیراعظم محمد علی بوگرا کی باہمی کشمکش کی وجہ سے پیدا ہو چکے تھے۔ وہاں انہوں نے ان مسائل کے حل کے بارے میں غور وفکر کرنا شروع کیا۔ اور کاغذ وقلم پکڑ کر لکھنا شروع کیا جو ایک طویل فہرست کی شکل میں سامنے آئی جو پچیس نکات پر مشتمل تھی۔ جب گورنر جنرل نے انہیں ملک کا انتظام سنبھالنے کی پیش کش کی انہوں نے منظور نہ کی۔ اس کے بعد گورنر جنرل نے انہیں کابینہ میں شامل ہونے پر اصرا کیا تو انہوں نے قبول کر لیا اور یہ دستاویز ان کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں تعمیری کام کرنا چاہیے۔ ون یونٹ کا قیام بھی انہی کے مشورے سے کیا گیا۔ ان کے خیال میں پارلیمانی نظام حکومت ہمارے حالات اور مزاج کے خلاف ہے، یہاں صدارتی نظام بہتر طور پر چلایا جا سکتا ہے:

> ''اس مختصر سے زمانے میں جب قائداعظم پاکستان کے گورنر جنرل تھے، ہمارے ہاں فی الحقیقت صدارتی حکومت قائم تھی۔ قائداعظم گورنر جنرل تھے اور ساتھ ہی مجلس آئین ساز کے صدر بھی۔ اس زمانے میں کابینہ کے اجلاسوں کی صدارت وزیراعظم نہیں بلکہ گورنر جنرل کیا کرتے تھے۔''(۲۵)

ملک کے عوام کی اکثریت مسلمان ہونے کی وجہ سے اس بات کی خواہش مند تھی کہ متوقع آئین اسلامی اور جمہوری ہونا چاہیے لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے ایک آئینی کمیشن تشکیل دیا گیا جس کی ذمہ داری یہ رکھی گئی کہ وہ نئے آئین کے لیے تجاویز مرتب کرے:

> ''ہر شخص متفق تھا کہ ملک کا آئین جمہوری ہونا چاہیے، ایسا آئین جس کی مدد سے قوم اسلام کے لازمی اصول وضوابط کے مطابق اپنی تنظیم کر سکے اور وقت کے ساتھ ساتھ نشوونما پا سکے۔''(۲۶)

قیام پاکستان کے وقت بہت سے علماء نے بھرپور مخالفت کی اور لوگوں کو اس غیر اسلامی کام سے دور رہنے کی تلقین کرتے رہے مگر عام مسلمانوں کی اکثریت نے قائداعظم کا ساتھ دیا اور پاکستان معرض وجود میں آ گیا:

> ''بعض نیشنلسٹ علماء نے ہندوستان ہی میں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر دیگر حضرات جلدی سے پاکستان کی مدد کے لیے دوڑ آئے کہ مسلمانوں کو تو پاکستان سے نہ بچا سکے، اب پاکستان کو مسلمانوں سے بچا لیں۔ آنے والوں میں جماعت اسلامی کے امیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی بھی تھے، جو پاکستان کے زبردست مخالف رہ چکے تھے۔ موصوف نے آخر وہیں آ کر پناہ لی

اور پھر جلد ہی پاکستان کے بدنصیب عوام کو ''مسلمان بنانے'' کی مہم شروع کر دی۔ ان بزرگ نے پاکستان میں جو کچھ دیکھا بڑا روح فرسا تھا۔ غیر اسلامی ملک، غیر اسلامی حکومت اور غیر اسلامی لوگ! بھلا کوئی سچا مسلمان ایسی حکومت سے کیونکر تعاون کر سکتا تھا۔ چنانچہ لوگوں کو ان کی خامیوں، کوتاہیوں اور ان کی عام پستی کا احساس دلانے کی مہم شروع کر دی۔''(۲۷)

آئینی کمیشن نے شبانہ روز محنت سے نئے آئین کے لیے تجاویز مرتب کیں جن کو اصلاح و ترمیم کے بعد منظور کر لیا گیا:

''آئینی کمیشن کی تجاویز کا جائزہ راولپنڈی میں چوبیس سے لے کر اکتیس اکتوبر ۱۹۶۰ء تک گورنروں کی کانفرنس میں لیا گیا۔ میں نے یکم مارچ ۱۹۶۲ء کو ریڈیو پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے اس آئین کا اعلان کیا۔ میں نے کہا: ''آئین جمہوریت اور نظم وضبط کی آمیزش ہے۔ یہ دونوں ایک آزاد معاشرے کو چلانے کے لیے مستحکم حکومت اور ٹھوس نظم وضبط رکھتا ہو، دو قابل عمل شرطیں ہیں۔''(۲۸)

نئے آئین کو عام طور پر بحسن وخوبی قبول کر لیا گیا سوائے چند سیاست دانوں اور اخبارات کے، جن کا مقصد صدر مملکت کو ہراساں کرنا تھا تا کہ وہ ان کے تابع فرمان ہو جائیں۔ مگر ان کے پایہ استقلال میں لغزش نہ آئی۔ انہوں نے کہا:

''جو آئین میں نے تیار کیا ہے وہ کوئی باہر سے لائی ہوئی جڑی بوٹی نہیں، بلکہ گھر کا پروان چڑھا ہوا پودا ہے۔ یہ ملکی حالات، ملکی تقاضوں اور عوام کے مزاج سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس میں جمہوریت کے تمام عناصر موجود ہیں، یہ قابل عمل ہے اور ملک کو استحکام بخشے گا۔ مجھے موجودہ نظم کی معقولیت پر پورا یقین ہے۔''(۲۹)

صدارتی انتخابات

پاکستان میں بنیادی جمہوریت کے تصور کے تحت ۱۹۵۹ء کے آخر میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ووٹ ڈالے گئے اور ان انتخابات کے نتائج کا اعلان جنوری ۱۹۶۰ء میں کیا گیا۔ کابینہ کے مشورہ پر اسی (۸۰) ہزار ممبران بنیادی جمہوریت سے اعتماد کا ووٹ حاصل کر لیا تا کہ سند اختیار حاصل ہو سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ملک کے طول وعرض کا دورہ بھی کیا۔ اور فروری ۱۹۶۰ء میں محمد ایوب خان نے پہلے منتخب شدہ صدر کی حیثیت سے اپنا حلف اٹھا لیا:

''فروری ۱۹۶۰ء سے لے کر مارچ ۱۹۶۲ء تک کے زمانے میں جمہوریتوں کے نظام نے نشوونما پائی اور ترقی کی مختلف سطحوں پر قوم کے نمائندوں نے ایک منظّم طریق پر اپنے اپنے حالات ومسائل سے آگاہی حاصل کی اور انہیں ایسا فورم یا پنچایت حاصل ہوئی جس میں شامل ہو کر وہ سرکاری محکموں کے ساتھ اشتراک عمل کے ذریعے مسائل کو حل کر سکیں۔''(۳۰)

حالات سازگار ہو چکے تھے ملک میں خوشحالی اور امن کا دور دورہ تھا۔ نئے آئین کے نفاذ سے بنیادی جمہوریتوں کے قانون کے تحت عوامی نمائندے ملک میں فلاح و بہبود کے کام سرانجام دے رہے تھے۔ ان حالات میں مارشل لا کا جواز ختم ہو چکا تھا:

''نئی اسمبلی کا اجلاس ۸ جون ۱۹۶۲ء کو راولپنڈی میں ہوا۔ میں نے دوسری جمہوری حکومت کے نئے آئین کے تحت حلف اٹھایا۔ اسی روز مارشل لا اٹھا دیا گیا اور اس کے بعد عام ملکی قانون کے تحت حکومت کا کاروبار چلنے لگا۔'' (۳۱)

محمد ایوب خان نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی اور آئندہ آنے والے انتخابات میں مسلم لیگ کے امیدوار کی حیثیت سے حصہ لینے کا ارادہ کیا۔ مخالفین نے اس انتخاب میں متحدہ اپوزیشن نے مس فاطمہ جناح کو اپنا متفقہ امیدوار نامزد کر دیا اور انہوں نے بھرپور انتخابی مہم کا آغاز کر دیا۔ کراچی میں پہلے ہی جلسہ میں محترمہ نے بھرپور جذباتی تقریر کی تو مجمع سے خوب داد اور حمایت وصول کی۔ محمد ایوب خان نے چند سیاسی رفقاء سے مشورہ کے بعد بھرپور الیکشن مہم شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کے اپنے ساتھیوں نے مخاطب ہو کر کہا:

''موصوفہ بہرصورت ایک معمر خاتون تھیں اور قائداعظم کی ہمشیرہ کی حیثیت سے وہ ملک بھر میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ میں نے اپنے رفقاء سے کہا کہ ہمیں ان کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے جس نظر سے ایک صدارتی امیدوار یا ایک مدمقابل کو دیکھا جاتا ہے۔ ہمیں ان کا پورا پورا مقابلہ کرنا ہوگا، لیکن شائستگی اور رکھ رکھاؤ بہرحال ملحوظ خاطر رہنا چاہیے، خواہ وہ اور ان کے ہواخواہ کیسے ہی حربے استعمال کریں۔'' (۳۲)

اخبارات میں ان کی تقاریر صفحہ اول پر نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع کرنا شروع کر دیا۔ ایوب خان نے بھی پشاور سے اپنی صدارتی الیکشن مہم شروع کی پھر راولپنڈی اور لاہور میں بھرپور جلسوں سے خطاب کیا۔ اس طرح انتخابی مہم زوروں پر تھی اور دونوں پارٹیوں نے اپنی بھرپور طاقت کا مظاہرہ کیا۔ ۲ جنوری ۱۹۶۵ء کو ملک بھر میں ووٹ کی پرچیاں پڑنا شروع ہوئیں:

''مس جناح کو قریب قریب ہر جگہ ہزیمت اٹھانا پڑی تھی۔ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں مخالف پارٹیوں کے جتنے گڑھ تھے وہ ایک ایک کر کے ڈھے جا رہے تھے۔ مس جناح کے ۳۶ فیصد کے مقابلہ میں مجھے ۶۳ فیصد کی اکثریت حاصل ہوئی۔ قوم نے آئین کے حق میں اپنا واضح اور آخری فیصلہ سنا دیا تھا۔'' (۳۳)

محترمہ فاطمہ جناح نے اپنی ستر سالہ عمر میں جس جرأت وہمت سے انتخابی مہم چلائی وہ ایک قابل تحسین کارنامہ تھا۔ مگر اس مہم میں ان کے ساتھی اور ہمنوا اپنے مفادات کی جنگ لڑ رہے تھے جبکہ وہ اس عمر میں صدارت کے منصب کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی ہمت وصلاحیت نہیں رکھتی تھیں:

''لوگوں کو جلد احساس ہو گیا تھا کہ قائداعظم کی ہمشیرہ ہونے کی حیثیت سے وہ لائق صد تکریم ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صدر کی حیثیت سے ملک کا انتظام سنبھال سکیں۔ آخری مقابلہ تعصب اور حقیقت پسندی کے درمیان تھا جس میں حقیقت پسندی کی جیت ہوئی۔'' (۳۴)

اس کے باوجود محمد ایوب خان نے اپنے حمایت کرنے والے اور مخالفت کرنے والے افراد کا شکریہ ادا کیا تاکہ عوام مل جل کر اس کامیابی کا جشن منائیں اور انہوں نے پاکستان کی ترقی اور نصب العین کی تکمیل کے لیے مشترکہ جدوجہد کرنے کی

درخواست کی:

''آیئے مل کر تعمیر کریں، مل جل کر تکمیل کریں، تاکہ پاکستان ہمیشہ قائم رہے اور فروغ پائے۔
پاکستان پائندہ باد!''(۳۵)

حوالہ جات

۱۔ محمد اقبال، کلیات اقبال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۵ء، ص: ۳۸۵
۲۔ محمد ایوب خان، جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی، مترجم: غلام عباس، لاہور: آکسفورڈ یونیوسٹی پریس، ۱۹۶۷ء، ص: سرورق
۳۔ مصدر سابق، دیباچہ (ھ)
۴۔ مصدر سابق، دیباچہ (د)
۵۔ الرعد ۱۳:۱۱
۶۔ ظفر علی خان، مولانا، بہارستان، لاہور: اردو اکیڈمی پنجاب، ۱۹۳۷ء، ص: ۲۵۹
۷۔ یہ شعر مرزا مظہر جانجاناں سے منسوب ہے۔ اس کا مفہوم ہے: انہوں نے خاک وخون میں پڑے رہنے کی اچھی رسم کی بنیاد ڈال دی۔ اللہ تعالیٰ ان نیک فطرت عاشقوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔
۸۔ محمد ایوب خان، جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی، ص: ۲
۹۔ مصدر سابق، ص: ۵
۱۰۔ ایضاً، ص: ۱۶
۱۱۔ ایضاً، ص: ۱۷
۱۲۔ ایضاً، ص: ۲۲
۱۳۔ ایضاً، ص: ۲۵
۱۴۔ ایضاً، ص: ۲۶
۱۵۔ ایضاً، ص: ۵۹
۱۶۔ ایضاً، ص: ۷۹
۱۷۔ ایضاً، ص: ۱۱۷
۱۸۔ ایضاً، ص: ۱۲۶
۱۹۔ ایضاً، ص: ۱۳۷
۲۰۔ ایضاً، ص: ۱۳۷
۲۱۔ ایضاً، ص: ۱۴۳
۲۲۔ ایضاً، ص: ۱۶۰
۲۳۔ ایضاً، ص: ۲۵۶

۲۴۔ ایضاً،ص:۲۸۸

۲۵۔ ایضاً،ص:۳۱۹

۲۶۔ ایضاً،ص:۳۲۷

۲۷۔ ایضاً،ص:۳۳۴۔۳۳۵

۲۸۔ ایضاً،ص:۳۵۳

۲۹۔ ایضاً،ص:۳۷۰

۳۰۔ ایضاً،ص:۳۷۲

۳۱۔ ایضاً،ص:۳۷۵۔۳۷۶

۳۲۔ ایضاً،ص:۳۸۴

۳۳۔ ایضاً،ص:۳۹۲

۳۴۔ ایضاً،ص:۳۹۳

۳۵۔ ایضاً،ص:۳۹۳

☆.....☆.....☆